Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"مادھولال حُسین لہور دی ویل" میں پنجاب کا سیاسی تناظر

یاسمین حمید،
لیکچرار پنجابی، گورنمنٹ شالیمار کالج، باغبانپورہ، لاہور۔
ڈاکٹر افتخار احمد سلہری،
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

Abstract

"Madhu Lal Hussain Lahore di Vail" by Nain Sukh cannot be considered just a fiction work rather the writer had talked about several real characters and told the reader how did Lahore change by Mafias, power seekers but Lahore had a strong cultured foundation. Nain Sukh is of the view that he is not afraid of rules imposed by invaders to documents the history of their own choice and he has given an opportunity to the reader to decide whether his work is fiction or documented history of Lahore by using several characters spread over a period of several centuries.

Keywords: "Madhu Lal Hussain Lahore di Vail", Madhu Lal Hussain, Lahore, Nain Sukh, Fiction, Novel.

زبان و ادب انسانی تاریخ اور ارتقاء کا ہم زاد ہے۔ زبان و ادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ انسانی ارتقاء کے معلوم آغاز سے لے کر آج تک مشاہدے کے ساتھ ساتھ اظہاریئے کا بھی مظہر ہے۔ زبان کو جدید دور کے صاحبان علم و فن کلچر کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات نہایت اہم ہے کہ زبان کلچر پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ علوم و فنون دراصل اس بات کی گواہی ہیں کہ انسان مادی ترقی کے ساتھ ساتھ جمالیاتی اور تخلیقی سطح پر ترقی کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ افسانوی ادب میں ناول صنف دنیائے ادب کی معتبر ترین صنف تصور کی جاتی ہے۔ ناول افسانوی ادب کا سایہ دار شجر ہے۔ ناول کی تحقیق و تنقید کے مطابق ناول کا آغاز مغرب سے ہوا۔ اس کو یورپ میں صنعتی دور کی پیداوار سمجھا جاتا ہے۔

تہذیبی تبدیلی کا آغاز چونکہ واضح اور فیصلہ کن انداز میں مغرب میں ہوا تھا وہیں جاگیر دارانہ تہذیب کو پچھاڑ کر تاجرانہ اور سرمایہ دارانہ انقلابات نے فتح پائی تھی۔ سو مغرب ہی نئی صنفِ ادب ناول کی جنم بھومی ٹھہرا۔ ناول اور زندگی پر بحث کرتے ہوئے ایک نقاد رقمطراز ہے۔

> Novels are made of the ordinary stuff of life; they are commentaries on the contemporary life, a portrayal of the manners and men of the present day. Their events are such as happened, or can happen to anyone". (1)

ڈاکٹر ابو للیث صدیقی ناول کے ان ناقدین میں شامل ہیں جنہیں ان مباحث پر بات کرنے کی اولیت حاصل ہے۔ وہ ناول کی ساخت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "ناول اطالوی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی شکل Novella ہے۔ جو اردو میں انگریزی کے واسطہ سے آیا۔ اور اس وقت جب انگریزی میں ایک صنف ادب کی حیثیت سے ناول کی روایات پختہ ہو چکی تھی۔ لیکن اٹلی والے نظم و نثر میں روزمرہ زندگی کے معمولی واقعات کو مسلسل اور مربوط انداز میں ناویلا کے نام سے یاد کرتے تھے۔" (2)

ڈاکٹر محمد عارف نے اپنے مقالے "اردو ناول اور آزادی کے تصورات" میں ناول کے آغاز و فن پر تفصیلی بحث کی۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ناول کی اصطلاح کے مآخذ تین یورپی زبانوں کے تین الفاظ ہیں اطالوی Novella، ہسپانوی Novela اور فرانسیسی Novella ان کا مفہوم ہے۔ بوکیشو Boccacia کی (51-1349)، Decameron ٹائپ کی کہانیاں جن میں رومانس کے برعکس روزمرہ زندگی کی حکایات بیان ہوتی ہیں۔" (3)

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اگرچہ ناول کی ابتدائی شکلیں چودھویں صدی عیسوی میں ملتی ہیں مگر ناول کا باقاعدہ آغاز یورپ میں سترھویں صدی میں ہوتا ہے۔یورپ میں یہ دور مختلف حوالوں سے یاد گار ہے۔اس دور میں یورپ میں صنعتی انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا اور جب انگریز برصغیر پاک وہند میں وارد ہوا تو اس کی تہذیب اور ادب نے برصغیر پاک وہند پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ڈاکٹر سہیل بخاری اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

"لفظ 'ناول' لاطینی سے فرانسیسی زبان میں ہوتا ہوا، انگریزی میں اور انگریزی سے ہمارے ادب میں منتقل ہوا ہے۔ انگریزی میں یہ عام طور پر 'نیا' کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔یہ وہی لفظ ہے جسے فارسی میں 'نو'، 'نوی' اور 'نوین' اور سنسکرت میں 'نو'، 'نوین' اور 'نول' کہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم ہندیورپی زبان کا لفظ ہے جہاں سے یہ مغرب کی زبانوں میں پہنچا۔" (4)

1849ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو جہاں انگریز راج کے ہماری سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہوئے، وہاں انگریزی زبان وادب نے ہماری زبان و ادب کو زندگی کے حقائق سے روشناس کرواتے ہوئے نئے انداز فکر اور فن کو متعارف کروایا۔نثری ادب کی کئی نئی اصناف نے جنم لیا۔انگریزوں کی آمد سے پہلے پنجابی میں نثر کی چند کتابیں دستیاب تھیں۔یہاں کے رہنے والوں نے محسوس کیا کہ تبلیغ کے لئے مادری زبان زیادہ مؤثر ذریعہ اظہار ہے۔مسلمان اردو کو اور ہندو ہندی اور سنسکرت کو اپنا چکے تھے لیکن سکھوں نے سنگھ سبھا لہر 1873ء پنجابی میں چلائی۔اسی لہر نے پنجابی ناول کو جنم دیا۔مذہبی انداز فکر سے آغاز ہوتے ہوئے پنجابی زبان کا دامن اخلاقی، سماجی اور سیاسی ناولوں سے بھرتا گیا۔بھائی ویر سنگھ پنجابی کے پہلے ناول نگار مانے جاتے ہیں۔ان کے پہلے تین ناول سندری 1897ء بجے سنگھ 1899ء اور ستونت کور 1900ء تاریخی اور مذہبی نوعیت کے ناول تھے۔جبکہ چوتھا ناول بابا نودھ سنگھ 1921ء اصلاحی اور نظریاتی ناول تھا۔محمد آصف خاں اپنے مضمون "پنجابی ناول" میں بھائی ویر سنگھ کی ناول نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایس لکھاری دے ناولاں وچ اوہ ویلا لبھدا اے، جد مغل حکومت اپنے آخری دماں تے سی تے سکھ اوہدے نال تھاں تے ٹکر لیندے سن۔ناولاں وچ (جویں کہ تاریخی ناولاں وچ ہوندا اے) کھڑکا دڑکا، لڑائی جھگڑا، بھیداں بھرے تہہ خانے، معجزاتی رہائیاں وغیرہ۔ایہناں آدرشی پاتراں لیکے تے سکھ سماج نوں اوہناں دیاں راہواں تے ٹرن لئی راہ دکھایا۔" (5)

میراں بخش مہناس وہ پہلے مسلمان پنجابی مصنف ہیں جنہوں نے "جٹ دی کرتوت" کے نام 1923ء میں فارسی رسم الخط میں پہلا پنجابی ناول لکھا۔حمید اللہ ہاشمی اس ناول کے شائع ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جٹ دی کرتوت وکھو وکھ نصاباں وچ وی لگا رہیا۔ایہہ کتاب کئی واری فارسی تے گورمکھی اکھراں وچ چھپی سی۔فارسی وچ تے گورمکھی اکھراں والی کتاب دسویں جماعت دے نصاب وچ شامل سی۔فارسی اکھراں والی کتاب میراں بخش منہاس دی حیاتی وچ ای سبھ توں پہلاں 1923ء وچ لاہور توں چھپی۔"(6)

پنجابی ناول کو نئی راہوں پر گامزن کرنے والے ناول نگاروں میں جو شو افضل الدین کا نام اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے پنجابی میں چار ناول لکھے۔ "پتی ورتا کملا" 1923ء، دوسرا "منڈے دا مل" 1928ء، تیسرا "پربھا" 1945ء اور چوتھا "برکتے" 1952ء شامل ہیں۔اس طرح قیام پاکستان کے بعد بھی ناول نگاری کا سلسلہ چلتا رہا اور تا وقت بھی جاری وساری ہے۔پنجابی ادب کئی انمول لکھاریوں سے لبریز ہے اور تخلیقات کے حوالے سے بات کی جائے تو زندگی کا شائد ہی کوئی ایسا پہلو ہو گا جس پر لکھا نہ گیا ہو۔

دور حاضر میں چند بڑے ناموں میں سے ایک نام خالد محمود نین سکھ کا ہے۔ان کا تعلق سرگودھا کے ایک چھوٹے سے چک سے ہے۔وہ ایک وکیل ہیں اپنی مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت پنجابی ادب تخلیقات کرنے کیلئے نکال ہی لیتے ہیں۔ادبی حلقوں میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ان کی شخصیت وفن پر مختلف یونیورسٹیوں سے تین مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں۔وہ پنجابی زبان سے بہت محبت رکھتے ہیں۔اس بات کا ثبوت ان کی شائع شدہ پنجابی کتب ہیں۔خالد محمود نے اپنا پنجابی ادبی سفر 1993ء میں شروع کیا۔ان کی حساس طبیعت نے شاعری کو منتخب کیا اور ہوتم پبلشرز نے ان کی "کیکر تے انگور" شاعری کی کتاب کو شائع کیا پھر قلم کو جیسے سمندر مل گیا اور 2005ء مین نیو

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لائن پبلشرز کے زیر اہتمام "ٹھیکریاں" (کہانیاں) سامنے آئی۔ 2011ء میں "اتھل پتھل" اور پھر 2014ء میں "مادھولال حسین لہوردی ویل" ناول کی صورت میں ابھرا اور چاروں طرف دھوم مچادی کہ ڈاھاں ایوارڈ کو بھی لے اڑا۔

نین سکھ کا ناول "مادھولال حسین لہوردی ویل" 2014ء میں نیو لائن پبلشرز نے چھاپا، اس کے دو ایڈیشن مارکیٹ میں آچکے ہیں۔ اس ناول کے متعلق مختلف اخبارات میں تجزیہ نگار لکھ چکے ہیں۔ شازیہ چیمہ لکھتی ہیں:

> If one went by the format of novel writing one would ask weather this one by Nain Sukh fell in the category of a novel or not, He said the point was not whether it was a novel or not what mattered was it had generated dialogue. The novel was being discussed in literary circle and not being ignored like others that were written and forgotten. (7)

یہ ناول اپنی فنی اور ادبی اعتبار سے ایک مربوط ناول ہے۔ اس کا پلاٹ 25 "Sub Titles" کے تحت لکھا گیا۔ مرکزی کردار "حسین پینٹر" جو اس معاشرے کا ایک اہم اور فعال کردار ہے۔ اس پر گزرنے والے حالات اور واقعات کو جوڑیں تو یہ ناول بن جاتا ہے۔ دراصل یہ ناول تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کو مکمل کرنے میں 20 سال کا عرصہ لگا۔ بیس سال میں ایک نسل جوان ہو جاتی ہے۔ ناول نگار نے کردار نگاری پر بڑی توجہ دی ہے۔ کہانی کے پلاٹ کو جس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ کہیں بھی اکتاہٹ یا توجہ کے ہٹ جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حسین پینٹر اپنے بچپن میں لوری کی جگہ شاہ حسین معروف صوفی پنجابی شاعر کی کافیاں سن کر بڑا ہوا:

> "دھونی ملنگ مورتی دا دارولبھ لیا۔ اوہ ایہہ کہ اودھروں اوہ گاؤن چھوہندا، ایدھر مورتی انگھلا جاندا دھونی ملنگ گاندا مائے نی میں کیہنوں آکھاں دردو چھوڑے داحال نی۔" (8)

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ناول نگار نے اس ناول کو نام ہی اس وجہ سے دیا کہ وہ لاہور شہر کو حسین پینٹر کو اور شاہ حسین کو آپس میں جوڑنا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے ناول کا عنوان شاہ حسین لہور دی ویل لکھا گیا۔ ویل اردو زبان میں پھولوں کی بیل کہلاتی ہے۔ بیل لمبی تر و تازہ اور پھول پتوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی خوب صورتی اسی جڑت میں ہوتی ہے۔

ناول میں زندگی کے ہر رنگ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سب پر تفصیلی گفتگو ناممکن تو نہیں مشکل ضرور ہے۔ لہذا بہت سے پہلو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اس کے سیاسی پہلو زیر بحث لاتے ہیں۔

ناول نہایت عمدہ اسلوب اور دلچسپ واقعات کا مجموعہ ہے۔ نین سکھ ان تخلیق کاروں میں سے ہیں، جو تخلیق خصوصاً کہانی میں اس طرح دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری کہانی میں اپنی ذات کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ ان کی کہانیوں کے پس منظر میں ایک زمانہ اور عہد چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ اس ناول میں لاہور کی دیسی، شہری، سیاسی، مذہبی زندگی کی عمدہ جزئیات پیش کی گئی ہیں۔

شورش اور بدامنی کے پنجاب سے قبل کے حالات کو بہت خوش صورتی سے بیان کیا وہ امن محبت و سلوک کی فضا کو شاید حسرت سے لکھا ہے۔ جیسے لکھتے ہیں:

> "جیہڑے دو نہہ دِہاڑاں لئی لہور دے بال بہوں ریجھدے اوہ شبرات تے دُسہرا۔ شبرات تے دُسہرا بالاں لئی کیہ ہواں، شُرلی، پٹاکا، ہتھ وچ مہتابی، پیراں وچ چُوہاتے انار دا پھوارا۔ دُسہرے دا میلہ بُڈھے دریا تے بادامی باغ وچکار لگدا عید دا میلہ خان بہادر شیخ نور الٰہی انسپکٹر سکولز اسلامیہ کالج دی گراؤنڈ وچ شروع کیتا۔" (9)

نین سکھ نے اپنے ناول کو کئی موضوعات میں تقسیم کیا۔ جس میں ایک موضوع دادا جی دی ڈائری کے نام سے اگست 1947ء کے واقعات ایک یاداشت کی صورت میں درج ہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"بدھوار، 13 اگست 1947ء پچھلے اگست وچ اسیں سارا ٹبر تے میرے سالے دے بال چھٹیاں وچ شملے گئے۔ میرے وڈے اقبال دا دوست منوہر لال وی ساڈے نال۔ اوتھے اساں ریڈیو تے خبراں سنیاں تے نہ اخبار دی طلب ہوئی۔ بالاں وچ ایہہ ای بحث ہوئے کہ وڈا فلم ایکٹر کیہڑا چنگا کرکٹر کون تے سنگر کیہڑا وڈا۔ میں اج گھروں نکلیا ای نہیں باہر کیہہ ویکھنا مار دھاڑ چیکاں نعرے تے سٹر اند بند بوہے باریاں دیاں ورلاں راہیں مینوں چھیک رہے ریڈیو تے تازہ خبر کہ اج پاکستان دی پہلی دستور ساز اسمبلی دا اکٹھ ہویا۔" (10)

نین سکھ کے اس ناول میں پاکستان میں اٹھنے والی سیاسی بیداری کا حوالہ بھی موجود ہے۔ خصوصاً مارشل لاء کے احوال قدرے تفصیل سے بیان ہیں۔ "مادھو لال حسین لہور دی ویل" سے ایک حوالہ ملاحظہ کریں:

"فوجی اسلامی حکومت، افغان جنگ، پاکستان وچ جہادی کلچر دی چڑھتل، لہور دے کنجر ڈرے ہوئے۔ کسے ایکسٹرلیس دی عزت لٹی جارہی، کسے کنجری دے گھر وچ ڈاکا، میڈم رضیہ نوں انکم ٹیکس والے تنگ کر رہے۔ اوہنے مولانا درانی نوں فون کیتا، ''وے ملاں سینڈوچ!'' مولانا میڈم دا کم کر دتا۔ دوجی واروی میڈم دا کم سر گیا پر تیجی وار عزت دار مولا کھچ گیا تے اوہ تپیا ہویا فون تے کیہ کیہ کہہ گیا کہ اوہ اگوں توں میڈم دی کال نہیں سُنے گا، اوہنوں کوئی پرواہ نہیں جے میڈم اوہنوں سینڈوچ ہویاں ویکھیا، اوہ بلیک میل نہیں ہوئے گا، نالے میڈم کول اوس دا کیہ ثبوت۔ اوہنے ریسیور پٹاخ دتا پر جھٹ مگروں فون کھڑکدا جائے۔ مولانا درانی نال ہن اوہ پٹھان ٹریول ایجنٹ گل کر رہیا جیہنوں اوہنے کابل وچ پھسایا۔" (11)

ناول نگار نے اپنی کہانی کو عمدگی اور سچائی سے پیش کیا ہے۔ مختلف لوگوں کے کردار سے خیر و شر کی آویزش کے ذریعے انسانی سماج کی حقیقی عکاسی کی ہے۔ متوسط اور مجبور طبقات حالات کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اور اعلیٰ طبقہ سے متعلق لوٹ مار، ذاتی مفاد کی خاطر گلے کاٹ رہے ہیں، فرد اور سماج کی کشمکش جس طرح کے پیچ و خم سے گزری ناول نگار نے اس کی دیانت دارانہ تفسیر کی۔ اس کی ترجمانی میں کوتاہی نہیں کی۔ پاکستان اور خاص کر لاہور کی سیاسی، سماجی اور تہذیبی زندگی کا قافلہ جن آزمائشوں اور مرحلوں سے گزرا اس عہد آشوب کی مکمل تاریخ رقم کی ہے۔ اس دور کی سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے افراد کا داخلی مزاج اور رویہ بدلہ ناول نگار کا فنی اسلوب بھی بدلتا گیا:

"کیپٹن مجاہد گل مغل اعظم دا جوائی بن گیا۔ جنرل یحییٰ پاکستان دا صدر، فوجی افسر بادشاہ، مجاہد گل سوہریاں یا گھر شہزادہ۔ ابن صفی دے ناول پڑھدیاں اوہنے سویرے گھر جاسوسی دا جال وچھایا۔" (12)

70ء کے الیکشن ہوئے تو واضح تقسیم نظر آئی۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب اور مغربی پاکستان میں بھٹو اکثریتی پارٹی کے طور پر ابھرے۔ مجموعی طور پر شیخ مجیب کو عددی اکثریت حاصل تھی۔ پر بہت سے مبصرین اور تجزیہ کاروں کے لیے یہ نتائج حیران کن تھے۔ نین سکھ نے قاری کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جس کے بارے میں ایک حوالہ درج ذیل ہے:

"1970ء دے جنرل الیکشن دا اعلان ہویا، پاکستان پیپلز پارٹی دے بے عزتے غریب بھوترے مغل اعظم تے اے ڈی چودھری مخالف پارٹیاں چوں ذوالفقار علی بھٹو دا جوڑ لبھدے پھرن۔ اوہناں دے صلاح کار ٹھیکیدار جی ایم مرزا اوہناں نوں اندر دی گل دسی تے مغل اعظم خان عبدالقیوم خان دا جھنڈا چک لیا جیہدا انتخابی نشان "شیر" جیہنوں دھمان تے وڈیان لئی مغل اعظم دے شیر پورے لہور وچ پھرائیگئے۔ اے ڈی تلوار توں ڈردا مغل اعظم نال پاکستان مسلم لیگ (قیوم) وچ نہ رلیا۔ اودھر مغل اعظم الیکشن توں پہلاں ای منظور ہو گیا۔" (13)

انتخابات کسی بھی جمہوری معاشرے میں اجتماعی خوشحالی اور ترقی کی طرف نہایت اہم قدم ہوتا ہے۔ مگر پاکستان اس معاملے میں بھی بدقسمت نکلا۔ پاکستان کی تاریخ کے پہلے باقاعدہ انتخابات جو تیس سال کے طویل انتظار کے بعد ملک میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ خوش بختی بننے تھے سیاہ بختی بن کے ابھرے۔ ایک طرف سیاستدانوں کے میدان اقتدار کی کھینچا تانی تو دوسری طرف مارشل لاء کے عفریت نے اپنی سازشیں شروع کر رکھی تھیں ہمارے ملک کی سول اور فوجی بیوروکریسی اس معاملہ میں تو ابھرتے دن

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کی طرح واقع تھی کہ مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کو ملک کی باگ دوڑ نہیں دینی۔ مزید بر آں یہ ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو جو انتہائی قلیل مدت میں مغربی پاکستان کے نمائندہ اور پسندیدہ سیاستدان بن چکے تھے اقتدار میں شراکت کے خواہشمند تھے۔ دونوں فریقین کو یقین بھی تھا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ ناول نگار نے تاریخ کے واقعات کو زیر قلم لاتے ہوئے انصاف کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ تاہم ڈرامائی انداز میں بھی استعمال کیا ہے۔ اپنے جیتے جاگتے کرداروں کے ساتھ واقعات میں سچ کر رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے :

"قائد عوام ذولفقار علی بھٹو وزیر اعظم تے خان عبدالقیوم خان وزیر داخلہ، مغل اعظم اندروں بھٹو دے خلاف پر اوہدے شیر گجدے رہے۔ آپ بھاویں ڈر دا ہووے۔ 1977ء دے الیکشن داجدوں ہوکا بھریا مغل اعظم بھٹو دے خلاف کھلیا۔ مولوی ہلچل نعرہ لوائے۔ دہل مچا دتی۔۔۔۔ ہلچل ہلچل! مغل اعظم اوہدے توں رپے وارے ۔ بھٹو دا انتخابی نشان تلوار تے مخالف دھڑے پاکستان قومی اتحاد دانشان ہل۔"(14)

جہاں ذوالفقار علی بھٹو کے دیوانے جیالے موجود تھے وہیں مخالفین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے مخالفین ان پر شعبدہ باز اور دھوکے باز ہونے کا الزام لگاتے تو اس کے چاہنے والے اس کی ایک ایک ادا سے پیار کرتے۔ ذیل میں قدرے طویل اقتباس کرداروں کی زبانی سنیئے:

"پیپلز پارٹی دی گورنمنٹ وچ اوہدی فلور مل ریشنلائز ہون لگی۔ ایہہ خبر سن کے اونوں ہارٹ اٹیک ہویا پر اور بچ گیا۔ ول ہو کے وی اوہمار، بھٹو دے خلاف قومی اتحاد بنیاتے اوہنے چوہدریاں دی کوٹھی چوں اپنی نظر بندی ختم کیتی۔ تے جس دن 1977ء دا مارشل لاء لگا اوہنے سارے علاقے وچ مٹھاء ونڈی۔ اون میجر ریٹائر مجاہد گل راہیں اگدوں ای خبر کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جالندھر دا، اگلی سوہ آپ کہ جنرل ضیاء اہناں دی برادری دا۔۔ بھائیے اکبر داپتر گھر جوائی جیہڑا جی ایچ کیو وچ سٹاف کلرک اوہ اوہناں دی برادری وچ پہلا تبلیغی مولانا الیاس کاندھلوی دا منن ہار۔" (15)

ناول میں دیگر سماجی و سیاسی حقائق کی طرح ان تحریکوں اور تنظیموں کا ذکر بھی موجود ہے جو سماجی طور پر روشن خیال تھیں۔ نین سکھ خود ترقی پسند لکھاری ہیں ترقی پسند کو ہر دور میں شدید رد عمل کا سامنا کرنا پڑا ہے یہ صورت حال ریاست کے مذہبی علمبرداروں کو قابل قبول نہیں ہوتی۔ ایسی تنظیموں کی راہ میں کئی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ مذہبی مبلغین کی مدد سے فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ ناول نگار نے اگر اس ناول پر 20 سال صرف کیے تو یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ حق ادا کر دیا ہے تاریخ سازی میں کوششیں کی ہیں کہ حالات اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

"مولانا رنگ محلی دے ملک دی جماعت اسلامی نال کدی نہ بنی۔ جماعت اسلامی مڈھوں پاکستان بنن دی حمایتی کدی نہ رہی پر جدوں پاکستان بن گیا۔ اوہنے جناح نوں "قائد اعظم" من لیا۔ جمیعت العماء ہند وچ ہندی دی تھاں اسلام آ گیا۔ پر پاکستان دی مخالفت وچ "امام الہند" دے پچھے سیاست نیتی ہوئی۔ اوہ پاکستان دے حق وچ کتھے۔ جماعت بالاں نوں مذہبی مدرسے دی تعلیم دے بجائے سکولاں کالجاں وچ داخل کروان۔ ایہہ مولانا رنگ محلی نوں بہوں ہو چھالگے۔ اتوں مولانا رنگ محلی دے سینے ٹھنڈ پئی۔ قربانی دیاں کھلاں اکٹھا کرن وچ وی جماعت اسلامی سبھ توں اگے۔"(16)

پاکستان کے ابتدائی سیاسی سفر کی ناکامیوں نے ملک میں ایک نئے طبقہ کو طاقتور بنا دیا۔ یہ طبقہ دراصل فوج تھی۔ اگرچہ فوج شروع سے ہی حکومت کے مخالف معاملات میں اثر انداز ہو رہی تھی اور یہ کسی حد تک وقت کی ضرورت ہو گئی تھی۔ مگر سیاستدانوں نے آپس کی چپقلشوں اور مفاد کی جنگ سے اس ادارے کو شہہ بخشی کہ وہ حکومت پر قابو پالے۔ فوج نے مذہبی طبقات کی مدد سے ہمیشہ پاکستان میں راج کیا۔ ناول نگار نے اپنے کرداروں کی مدد سے اس وقت کی پیچیدگیوں کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"1977ء دا اسلامی مارشل لاء لگ گیا۔ اسلامی سوشلزم کٹہرے وچ اسلام دی حاکمی دا سکہ چلیا، تھاں تھاں سبز گنبداں تے اُچے مناراں والیاں میتاں اگیاں، خدا دی قدرت گھٹ، خدا قابض ہوندا جائے۔ ہر شاعری دی کتاب وی حمد توں

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شروع ہووے۔ ہر آزادی چادر چار دیواری وچ قید ہوئی۔ سیاسی ورکر پھڑے گئے۔ جیہناں وچ بھٹی تے پروین ڈپو والی وی، جلسے جلوس بند، روشن خیالی اندر ہوئی ایس ماحول وچ کاکے، کامریڈ نوں اُشکل ہوئی کہ احتجاج ہونا چاہیدا پر کیویں؟" (17)

پاک بھارت معاملات شروع سے ہی مختلف مسائل کا شکار رہے۔ سب سے پہلے کشمیر کے مسائل کی وجہ سے 1948ء میں جنگ ہوئی بعض معاملات کچھ سرد پڑے۔ مگر پاکستان میں فوجی حکومت کی آمد کے بعد یہ معاملات از سر نو خراب ہونا شروع ہو گئے۔ 1965ء کی جنگ دراصل پاکستان اور بھارت کے درمیان اس وقت لڑی گی۔ جب سرحد کے دونوں طرف عوام کو معاشی اور سماجی خوشحالی کی ضرورت تھی۔ دونوں ملکوں میں خصوصاً پاکستان میں معاشی بہتری پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی۔ دونوں ممالک کے درمیان باقاعدہ مذاکرات کا آغاز بھی ہونے والا تھا۔ مگر نہرو کی اچانک موت نے منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ جنگ کے دوران عمومی طور پر تباہی اور بربادی کے مناظر کی فراوانی ہوتی ہے اسلحہ بارود کے استعمال سے خاص کر نفسیاتی کیفیت انسانوں پر طاری ہو جاتی ہے۔ جنگی تباہی کے یہ مناظر دراصل انسانوں کو خوفزدہ کرنے کے ساتھ ساتھ رد عمل کے طور پر ہر کسی حد تک بے حس بھی بنا دیتے ہیں۔ پاک بھارت جنگ کی لڑائی میں ایک منظر ملاحظہ نظر ہے:

"1965ء دی جنگ ٹرک باڈی اتے لگی۔ ٹینک توپاں، جنگی جہاز تے شہیداں دیاں تصویراں۔۔۔ فوجی دی یونیفارم وچ تصویر بنانی استاد فیقے برٹش پینٹر بیون پیمٹین دے کم نوں ویکھ کے سکھی۔ ایہہ برٹش پینٹر 1947ء توں پہلاں کوئٹہ چھاؤنی وچ سی تے مگروں راولپنڈی کینٹ وچ آرہیا۔۔۔ پینٹر حسین نوں ٹرکاں پچھے ایوب خان دی تصویر بنا کے پچھے لکھنا پوے۔۔" تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد!" (18)

جہاں ذالفقار علی بھٹو کے دیوانے جیالے موجود تھے۔ وہیں پر ان کے مخالفین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے مخالفین اس پر شعبدہ باز اور دھوکے باز ہونے کا الزام لگاتے تو اس کے چاہنے والے اس کی ایک ایک ادا پر پیار کرتے تھے۔ ذلفقار علی بھٹو کو قید کیا گیا تو ملک میں ان کی مقبولیت دوچند ہو گئی۔ ویسے بھی ہمارے ہاں مقبول لیڈر بننے کے لیے جیل کاٹنا ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لئے تو ہمارے بہت سے حکمران اور سیاستدان فرمائشی جیل کاٹتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہو تو فرمائشی جلد وطنی اور نظر بندی سے کام چلا لیا جاتا ہے۔ زیر بحث ناول میں ان واقعات کو آپ بیتی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے:

"پروین ڈپو والی تے بھٹی دسدے کہ 5 جولائی 1977ء چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن گیا۔ بھٹو قید، قومی اتحاد دے لوک مٹھائی ونڈ رہے خادم چغتائی دے گھر دا فون منظور ہویا۔ پیپلیئے جلوس کڈھن لگ پئے۔ گرفتاریاں شروع ہو گئیاں۔ بھٹی تے پروین ڈپو والی وی پھڑے گئے۔ بھٹو تے نواب محمد احمد خاں دے قتل دا مقدمہ چلیا۔ بھٹی ساہمنے اوہ ویلا اینج کہ۔۔۔ پاکستان کا مطلب کیا پھانسی، کوڑے، جنرل ضیاء۔" (19)

ناول نگار نے اپنے دور کو قلمبند کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے اور ایسا انڈر انداز اپنایا ہے کہ حکومت وقت کے خلاف لکھنے سے بھی نہیں ڈرا۔ نتائج کی پرواہ کئے بنا سچ لکھ دیا۔ 2011ء میں لاہور دوہرے قتل کا ایک واقعی رونما ہوا تھا جس میں ایک امریکی باشندہ بھی ملوث تھا ناول نگار لکھتے ہیں:

" قاتل ریمنڈ ڈیوس کیہ تے کون سی؟ اوہ پاکستان وچ کیویں تے کیوں؟ جے ریمنڈ ڈیوس امریکی جاسوس تے اوہ لہور وچ ک کیہدی جاسوسی تے؟ فہیم تے فیضان کیہدے آکھیاں تے اوس دے مگر لگے؟ دو جنے کار وچ بیٹھے تے دو جا امریکی کون اوہ کیوں نہ کار توں باہر نکلیا؟ سکاچ کارنر کینٹ ایریا وچ ریمنڈ ڈیوس دی رہائش دی حقیقت کیہ؟ چھڑے ایہہ ای نہیں ہوروی تشویشی پچھاں بہوں پر پورا ولدا کوئی نہیں جیہڑا تسلی بخشے۔" (20)

اس ناول کی مدد سے بڑے بڑے واقعات کو تاریخی تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد اس خطہ میں دو بڑی ریاستوں کے قیام نے جغرافیائی تقسیم کے ساتھ اور کئی طرح کی تقسیم بھی کر ڈالی۔ اس تقسیم نے دونوں ریاستوں کو خصوصاً پاکستان کو اپنے مستقبل کے بارے میں نئی راہ دکھائی۔ اسی اہم موڑ سے پاکستان جن مسائل، مصلحتوں اور ناعاقبت اندیشی کا شکار ہو گیا۔ ہماری تاریخ میں ان کا ذکر واضح اور تجزیاتی نہیں ہے۔ یہ تاریخ جانبداری اور اپنے نظریات و پسندیدگی کی بنا پر ترتیب دی گئی۔ پاکستان کی تاریخ دراصل دو انتہاؤں کی تاریخ ہے۔ ان مورخین نے دو شدتوں پر بیٹھ کر تاریخ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخ کو جدید دور کی دوسری

Vol.4 No.3 (2021)
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اقوام کی تاریخ سے تقابل کریں تو مایوسی اور جھنجھلاہٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہاں پر صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ ناول نگار نے اپنے ناول کی مدد سے تاریخ و سیاسی مناظر کی نئی تاریخ مرتب کی ہے۔ یوں ایک طرف تو تاریخ کا ایک پر نیا زاویہ نگاہ سامنے آیا تو دوسری طرف آنے والی مورخین کے معروضیت کا پہلو بڑھنے کا امکان بڑھ گیا ہے۔

حوالہ جات

1. Shaista Aichtar Surharvardy, A Critical Survey on the Development of the Urdu Novel and Short-Story London; New York Longmans, Green & Company 1945, P1
2. ابو للیث صدیقی، ناول فنی نقطہ نظر سے، مشمولہ: اردو نثر کا ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، 1997ء، ص: 74۔
3. محمد عارف، پروفیسر، ڈاکٹر، اردو ناول اور آزادی کے تصورات، ص: 25۔
4. سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، 1966ء، ص: 9۔
5. محمد آصف خاں، آزادی مگروں پنجابی ادب، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، 1985ء، ص: 197۔
6. میراں بخش منہاس، جٹ دی کرتوت، مرتب: حمید اللہ شاہ ہاشمی، فیصل آباد: مجلس پنجابی ادب، 1988ء، ص: 4 تا 5۔
7. shazia chemaThe Dawan pakistan Lahore published April26 2015
8. نین سکھ، مادھولال حسین لہور دی ویل، لاہور: پاکستان نیو لائن پبلیشرز، پہلی وار 2014ء، ص: 102۔
9. نین سکھ، مادھولال حسین لہور دی ویل، ص: 235۔
10. ایضاً، ص: 35۔
11. ایضاً، ص: 70۔
12. ایضاً، ص: 106۔
13. ایضاً، ص: 259۔
14. ایضاً، ص: 260-259۔
15. ایضاً، ص: 263۔
16. ایضاً، ص: 268۔
17. ایضاً، ص: 333۔
18. ایضاً، ص: 332۔
19. ایضاً، ص: 335۔
20. ایضاً، ص: 444۔